ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2908

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: مطالعہ مصادر حدیث – II(2908) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی نمبر 1

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: صاحبِ مشکوٰۃ خطیب تبریزی کے حالاتِ زندگی (20 نمبر)

سوال نمبر 1: صاحب مشکوٰۃ خطیب تبریزی کے حالات زندگی بیان کریں۔ (20)

تعارف

مشکوٰۃ المصابیح علومِ حدیث کی ان چند کتابوں میں سے ہے جنہیں صدیوں سے مدارس، جامعات اور عام مطالعے میں غیر معمولی قبولیت حاصل ہے۔ اس کتاب کے مصنف امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی ہیں، جو خطیب تبریزی کے نام سے مشہور ہیں۔ سوال میں انھی صاحبِ مشکوٰۃ کے حالاتِ زندگی بیان کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ سوال کورس "مطالعہ مصادر حدیث" کے مزاج کے عین مطابق ہے، کیونکہ کسی بھی مصدرِ حدیث کو سمجھنے کی پہلی سیڑھی اس کے مصنف کو جاننا ہے: وہ کس عہد میں پیدا ہوئے، ان کا علمی ماحول کیسا تھا، ان کے اساتذہ کون تھے، انہوں نے یہ کتاب کس بنیاد پر اور کس مقصد سے مرتب کی، اور ان کی یہ خدمت بعد کی نسلوں تک کس طرح پہنچی۔ خطیب تبریزی آٹھویں صدی ہجری کے عالم ہیں، اور ان کی زندگی کے بارے میں تراجم کی کتابوں میں معلومات نسبتاً مختصر ملتی ہیں؛ اس لیے اس جواب میں علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جو باتیں مستند تراجم اور مشکوٰۃ کے اپنے مقدمے اور اس کے شارحین سے ثابت ہیں وہی بیان کی جائیں، اور جن تفصیلات میں مآخذ خاموش ہیں ان کے بارے میں قیاس آرائی سے پرہیز کیا جائے۔ ذیل میں ان کے نام و نسب، پیدائش و وطن، علمی سفر و اساتذہ، مشکوٰۃ کی تالیف کے محرکات و خصوصیات، ان کی دیگر خدمات، وفات اور ان کے علمی مقام کو ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔

نام، نسب اور وطن

صاحبِ مشکوٰۃ کا پورا نام ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی ہے۔ "خطیب" ان کا عہدہ اور لقب اس لیے ہوا کہ وہ اپنے وطن تبریز میں خطابت کے منصب سے وابستہ رہے، اور "تبریزی" کی نسبت اسی شہر کی طرف سے ہے جو اس دور میں ایران کے شمال مغربی خطے، یعنی آذربائیجان، کا مشہور علمی و تجارتی مرکز تھا۔ تبریز اس زمانے میں ایلخانی دور کی علمی سرگرمیوں کا اہم شہر تھا، یہاں مدرسے، خانقاہیں اور کتب خانے موجود تھے اور دور دراز سے طالب علم یہاں آتے تھے۔ خطیب تبریزی نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور یہیں کی علمی فضا میں پرورش پائی۔ راجح روایات کے مطابق ان کی پیدائش سات سو چالیس ہجری کے قریب تبریز ہی میں ہوئی، تاہم یہ امر واضح رہے کہ ان کی پیدائش کے سال کے بارے میں قدیم تراجم میں قطعی تصریح کم ملتی ہے اور بعد کے بعض محققین نے قرائن سے ساتویں صدی ہجری کے اواخر یا آٹھویں صدی کے اوائل

کا اندازہ لگایا ہے؛ اس لیے تاریخِ پیدائش کو حتمی دعوے کے بجائے قرائن کی بنیاد پر بیان کرنا ہی علمی احتیاط ہے۔ ان کے خاندان کے بارے میں بھی زیادہ تفصیل دستیاب نہیں، البتہ "العمری" کی نسبت اور ان کے علمی گھرانے سے تعلق کی طرف اشارے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اہلِ علم ماحول سے تعلق رکھتے تھے اور خطابت جیسا ذمہ دارانہ دینی منصب ان کے خاندانی و علمی مقام کی دلیل ہے۔

تعلیم و تربیت اور اساتذہ

خطیب تبریزی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن تبریز ہی میں حاصل کی۔ قرآن مجید، عربی زبان و ادب، فقہ اور حدیث کی بنیادی کتابیں انہوں نے مقامی اساتذہ سے پڑھیں۔ اس دور کے دستور کے مطابق انہوں نے سماع و قراءت کے طریقے سے حدیث حاصل کی اور کبار محدثین و فقہاء کی مجالس میں شریک ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں سب سے نمایاں نام شیخ حسین بن محمد الطیبی کا ہے، جو اپنے عہد کے ممتاز عالم، مفسر اور شارحِ حدیث تھے اور جن کی "الکاشف عن حقائق السنن" مشکوٰۃ المصابیح کی مفصل شرح کے طور پر مشہور ہے۔ روایت ہے کہ الطیبی کی خاص توجہ اور سرپرستی خطیب تبریزی کو حاصل رہی، اور مشکوٰۃ کی ترتیب و تہذیب میں ان کے استاد کی رہنمائی شامل رہی۔ بعض تذکروں میں یہ بھی آیا ہے کہ الطیبی نے اپنے شاگرد کی اس تالیف کو پسند فرمایا اور پھر اسی پر مفصل شرح لکھی، جس نے مشکوٰۃ کو دنیا بھر میں متعارف کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ خطیب تبریزی نے تبریز اور گرد و نواح کے دیگر علماء سے بھی استفادہ کیا، مگر ان کے تمام اساتذہ کی مفصل فہرست تراجم میں محفوظ نہیں رہ سکی۔ ان کی رغبت کا اصل میدان حدیث اور اس کی ترتیب و تدوین تھا، اور ان کی زندگی کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درس و تدریس اور خطابت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کو عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کے بارے میں بھی معلومات محدود ہیں، البتہ مشکوٰۃ کی اشاعت و روایت کی جو وسیع سندیں بعد میں قائم ہوئیں وہ اس بات کی گواہ ہیں کہ ان کا علمی حلقہ اپنے علاقے میں مؤثر تھا اور ان کی کتاب ان کی زندگی ہی میں قبولیت پانے لگی تھی۔

مشکوٰۃ المصابیح کی تالیف: پس منظر اور مقصد

ان کے حالاتِ زندگی کا سب سے درخشاں باب مشکوٰۃ المصابیح کی تالیف ہے، اس لیے اس کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں امام حسین بن مسعود البغوی نے "مصابیح السنہ" کے نام سے احادیث کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا جس میں انہوں نے احادیث کو صحت کے اعتبار سے دو حصوں، یعنی صحاح و حسان، میں تقسیم کیا تھا اور اسانید کو حذف کر کے صرف صحابی راوی کا نام رکھا تھا۔ یہ کتاب اپنے موضوع میں بہت مفید تھی، مگر طالب علموں کے لیے اس میں چند دشواریاں تھیں: احادیث کے اصل مآخذ کی طرف اشارہ نہیں تھا، بعض موضوعات ناقص تھے، اور متعدد ضروری ابواب و احادیث اس میں شامل نہیں تھیں۔ خطیب تبریزی نے اسی کمی کو محسوس کیا اور مصابیح السنہ کو بنیاد بنا کر اس کی تکمیل و تہذیب کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے ہر باب میں احادیث کو تین فصلوں میں تقسیم کیا: پہلی فصل میں صحاح ستہ خصوصاً صحیحین سے ماخوذ احادیث، دوسری فصل میں دیگر معتبر کتب سے احادیث، اور تیسری فصل میں باب کے مناسب دیگر روایات و آثار شامل کیے۔ ہر حدیث کے آخر میں اس کے ماخذ کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ روایت کس کتاب میں ہے، مثلاً متفق علیہ، رواہ البخاری، رواہ مسلم، رواہ الترمذی وغیرہ، تاکہ محقق آسانی سے اصل مصدر تک پہنچ سکے۔ اسی مفید اضافے اور ترتیب کی وجہ سے نئی کتاب کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" رکھا گیا، یعنی وہ طاق یا جھروکہ جس میں مصابیح (چراغ) رکھے جائیں۔ راجح قول کے مطابق یہ تالیف سات سو سینتیس ہجری کے قریب مکمل ہوئی۔ مصنف نے مقدمے میں اپنی ترتیب و شرط کی وضاحت خود کر دی ہے، اور یہی مقدمہ ان کے منہجی شعور، اختصار پسندی اور طلبہ کی سہولت کے خیال کی بہترین شہادت ہے۔

جدول 1: خطیب تبریزی اور مشکوٰۃ المصابیح — اہم نکات ایک نظر میں

پہلو	تفصیل
پورا نام	ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری التبریزی
وطن و نسبت	تبریز (آذربائیجان) — خطابت کے منصب کی وجہ سے "خطیب" مشہور ہوئے
نمایاں استاد	شیخ حسین بن محمد الطیبی — مشکوٰۃ کے شارح اور مصنف کے مربی

مشکوٰۃ المصابیح — مصابیح السنہ (بغوی) کی تکمیل و تہذیب	مشہور تالیف
تقریباً 737ھ — ہر باب میں تین فصول اور مآخذ کی نشان دہی	تالیف کی راجح تاریخ
741ھ کے بعد، تبریز — دقیق سال میں روایات مختلف ہیں	وفات کی راجح روایت

علمی خصوصیات اور دیگر خدمات

خطیب تبریزی کی شخصیت کی سب سے نمایاں خصوصیت خدمتِ حدیث میں اخلاص اور طلبہ کی ضرورت کا احساس ہے۔ انہوں نے نئی کتاب ایجاد کرنے کے بجائے ایک موجودہ مفید کتاب کی خامیاں دور کر کے اسے قابلِ استعمال بنایا؛ یہ منہج اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شہرت سے زیادہ نفعِ عام مقصود تھا۔ ان کا دوسرا وصف ترتیب و تنظیم کی صلاحیت ہے: احادیث کو فقہی و موضوعاتی ابواب میں، اور ہر باب کے اندر درجہ بندی کے ساتھ رکھنا، مصادر کی نشان دہی کرنا اور زبان کا اختصار برتنا، یہ سب ایک ماہر منتظمِ علم کا کام ہے۔ ان کی ایک اور اہم خدمت "الاکمال فی اسماء الرجال" ہے، جس میں انہوں نے مشکوٰۃ اور مصابیح میں آنے والے راویوں کے اسماء کی جچے، ضبط اور مختصر تعارف مرتب کیا تاکہ طالب علم راویوں کے ناموں کی درستی سے واقف ہو سکے؛ یہ کتاب مشکوٰۃ کے ساتھ عموماً شائع ہوتی ہے اور ان کے رجال شناسی کے ذوق کی دلیل ہے۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ خطابت کے ساتھ درس و ارشاد میں بھی مشغول رہے، ان کی مجلس میں اہلِ علم اور عوام دونوں فیض پاتے تھے۔ ان کی تحریر میں تکلف نہیں، مقصدیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشکوٰۃ بعد میں درسِ نظامی سمیت برصغیر اور عالمِ اسلام کے بیشتر نصابوں میں داخل ہوئی، اس پر پچاس سے زائد شروح و حواشی لکھے گئے، جن میں الطیبی کی الکاشف، ملا علی قاری کی مرقاۃ المفاتیح اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات ولمعات التنقیح نمایاں ہیں، اور ان شروح کی وجہ سے مصنف کا نام ہر دور میں زندہ رہا۔

وفات اور علمی مقام

خطیب تبریزی کی وفات کے بارے میں روایات میں اختلاف ملتا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ ان کا انتقال سات سو اکتالیس ہجری کے بعد تبریز ہی میں ہوا، جبکہ بعض محققین نے اس سے متاخر تاریخ بھی نقل کی ہے۔ چونکہ قدیم تراجم میں ان کی سوانح بہت اختصار سے آئی ہیں، اس لیے مناسب طرز یہ ہے کہ وفات کے دقیق سال کے بارے میں اختلاف کا ذکر کر دیا جائے اور کسی ایک تاریخ کو حتمی قرار نہ دیا جائے۔ ان کے علمی مقام کا اندازہ ان کی کتاب کی آٹھ صدیوں پر محیط قبولیت سے لگایا جا سکتا ہے۔ علماء نے مشکوٰۃ کو احادیثِ احکام و فضائل کا ایسا جامع انتخاب قرار دیا ہے جو مبتدی کے لیے سہل اور منتہی کے لیے بھی مفید ہے۔ ابن حجر عسقلانی سمیت متعدد محدثین نے اس کتاب سے استفادہ کیا اور اس کی احادیث پر کلام بھی کیا، جس سے اس کی علمی حیثیت مزید نکھری۔ برصغیر میں یہ کتاب آج تک درسی سلسلے کی اہم ترین کتب میں شمار ہوتی ہے اور ترجمے کی صورت میں عام قاری تک بھی پہنچی ہے۔ اس طرح خطیب تبریزی کی زندگی اس حقیقت کی روشن مثال ہے کہ مخلصانہ علمی خدمت، خواہ اس کے سوانحی تفصیلات کم ہی کیوں نہ ہوں، صدیوں تک انسانیت کو نفع پہنچاتی رہتی ہے اور یہی کسی عالم کی اصل زندگی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ صاحبِ مشکوٰۃ، ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، آٹھویں صدی ہجری کے تبریز سے تعلق رکھنے والے خطیب، مدرس اور محدث تھے۔ انہوں نے شیخ حسین الطیبی سمیت اپنے عہد کے اہلِ علم سے فیض پایا، بغوی کی مصابیح السنہ کی علمی تکمیل کر کے مشکوٰۃ المصابیح مرتب کی، جس میں ہر باب کی تین فصول اور مآخذ کی نشان دہی نے اسے تحقیق و تدریس دونوں کے لیے بے مثال بنا دیا، اور الاکمال فی اسماء الرجال جیسی معاون تالیف بھی چھوڑی۔ ان کی زندگی کے دقیق سوانحی اعداد و شمار میں جہاں مآخذ خاموش یا مختلف ہیں وہاں علمی امانت کا تقاضا احتیاط ہی ہے، لیکن ان کی خدمتِ حدیث کی عظمت پر علماء کا اتفاق ہے اور مشکوٰۃ کی ہمہ گیر قبولیت اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

سوال نمبر 2: امام ابنِ حبان کا علمی مقام، علم سے لگاؤ اور علمی خدمات (20 نمبر)

سوال نمبر 2: امام ابن حبان کا علمی مقام، علم سے لگاؤ اور ان کی علمی خدمات بیان کریں۔ (20)

تعارف اور ایک ضروری وضاحت

نوٹ برائے وضاحت: سوالنامے میں نام "ابن جبان" چھپا ہے، جبکہ کتبِ تراجم و حدیث میں اس نام سے مشہور امام "ابن حبان" ہیں، یعنی امام محمد بن حبان البستی (وفات 354ھ)، جو صحیح ابن حبان کے مصنف ہیں۔ اس جواب میں اسی معیاری شناخت کی بنیاد پر جواب لکھا گیا ہے، تاہم طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنی درسی کتاب میں دی گئی صورت بھی ملا کر دیکھ لے۔ امام ابن حبان تیسری و چوتھی صدی ہجری کے ان کبار محدثین و فقہاء میں سے ہیں جنہوں نے روایت، درایت، فقہ، تاریخ اور رجال شناسی سب میدانوں میں کام کیا۔ سوال کے تین حصے ہیں: ان کا علمی مقام کیا تھا، علم سے ان کا لگاؤ کس درجے کا تھا اور ان کی علمی خدمات کون کون سی ہیں۔ یہ تینوں پہلو دراصل ایک ہی شخصیت کے تین رخ ہیں: مقام ان کی مہارت کی دلیل ہے، لگاؤ ان کی محنت کی محرک قوت ہے، اور خدمات ان دونوں کا ثمرہ ہیں۔ ذیل میں ان کی سوانح کا مختصر تعارف، علمی مقام، طلبِ علم کی سعی و سفر، اور تصانیف و خدمات کو عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے، اور ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اہلِ علم نے ان کے بعض اجتہادی مواقف پر گفتگو بھی کی ہے، کیونکہ متوازن علمی مطالعہ اسی کا نام ہے کہ شخصیت کے کمالات اور ان پر ہونے والی علمی تنقید دونوں سامنے رہیں۔

مختصر سوانحی تعارف

امام ابن حبان کا نام محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی البستی ہے اور کنیت ابو حاتم ہے۔ ان کی ولادت خراسان کے مشہور قصبے بُست میں دو سو ستر ہجری کے قریب ہوئی، جو موجودہ افغانستان کے علاقے سجستان سے متصل تھا۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر طلبِ حدیث کے لیے اس دور کے دستور کے مطابق طویل اسفار اختیار کیے۔ وہ نیشاپور، مرو، ہرات، بخارا، سمرقند، بغداد، بصرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام اور مصر تک گئے اور ہر مرکز کے شیوخ سے روایت حاصل کی۔ نیشاپور میں وہ کچھ مدت قیام پذیر رہے اور وہاں کے ممتاز محدث امام ابن خزیمہ کے خاص شاگردوں میں شمار ہوئے، بلکہ ان کی صحبت و تربیت نے ابن حبان کے منہج پر گہرا اثر ڈالا۔ انہوں نے قضا کے منصب کی ذمہ داری بھی نبھائی اور سمرقند سمیت بعض شہروں میں قاضی رہے، تدریس و تصنیف کا سلسلہ عمر بھر جاری رکھا۔ ان کی وفات تین سو چون ہجری میں بُست ہی میں ہوئی۔ ان کی زندگی کی

یہ سادہ سی خاکہ کشی بھی بتادیتی ہے کہ وہ محض کتابی عالم نہیں تھے بلکہ انتظامی، عدالتی اور تدریسی تجربے سے گزرے ہوئے ایک ہمہ جہت عالم تھے، اور اسی وسعتِ تجربے نے ان کی تصانیف کو عملی رنگ دیا۔

علمی مقام

امام ابن حبان کا علمی مقام جرح وتعدیل اور تصنیف کے میدان میں مسلّم ہے۔ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء اور تذکرۃ الحفاظ میں انہیں اپنے عہد کے ائمۂ حدیث میں شمار کیا ہے اور ان کی وسعتِ علم، حفظ اور تصانیفی مہارت کی تعریف کی ہے۔ خطیب بغدادی سمیت دیگر مؤرخین نے بھی ان کی ثقاہت و جلالت کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مقام کی ایک بنیاد یہ ہے کہ وہ فقہِ شافعی سے وابستہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے مستقل محقق بھی تھے۔ انہوں نے روایت کو فقہی نتائج سے اور فقہ کو احادیث کے ذخیرے سے جوڑ کر دکھایا۔ صحیح ابن حبان کی ترتیب اس کی بڑی مثال ہے، جس میں انہوں نے احادیث کو روایتی ابواب کے بجائے تقاسیم وانواع کی نئی منطقی تقسیم پر مرتب کیا، یعنی پہلے احادیث کو پانچ بڑی قسموں (اوامر، نواہی، اخبار، مباحات اور افعال) میں بانٹا اور پھر ہر قسم کی انواع بنائیں؛ یہ ترتیب آج بھی محققین کے لیے مطالعے کا دلچسپ موضوع ہے۔ ان کے مقام کا دوسرا پہلو رجال وعلل کی مہارت ہے: کتاب الثقات اور کتاب المجروحین جیسی تصانیف نے انہیں ناقدِ رجال کی صف میں کھڑا کر دیا۔ البتہ علمی انصاف کا تقاضا یہ بھی ہے کہ یہ ذکر کر دیا جائے کہ بعض نقاد نے ابن حبان پر مجہول راویوں کی توثیق میں نرمی (تساہل) کا اعتراض کیا ہے اور ان کے بعض فقہی اجتہادات، مثلاً بعض مسائل میں منفرد آراء، پر گفتگو ہوئی ہے۔ یہ تنقیدیں ان کے مجموعی مقام کو ختم نہیں کرتیں بلکہ یہ بتاتی ہیں کہ وہ ایک صاحبِ اجتہاد محقق تھے جن کے کام پر علمی دنیا نے پوری سنجیدگی سے بحث کی، اور یہی کسی بڑے عالم کی پہچان ہوتی ہے۔

علم سے لگاؤ اور طلبِ علم کی سعی

ابن حبان کے علم سے لگاؤ کا اندازہ ان کے اسفارِ علمیہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے مشرق سے مغرب تک اسلامی دنیا کے بڑے بڑے مراکز کا سفر کیا اور کہیں آٹھارہ سو کے قریب شیوخ سے روایت حاصل کرنے کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں، جن میں امام ابن خزیمہ، امام نسائی کے ہم عہد محدثین، ابو یعلیٰ موصلی، حسن بن سفیان اور حافظ ابن الشرقی

جیسے نام شامل ہیں۔ اس زمانے میں یہ سفر پیدل یا سواری پر مہینوں کے کٹھن مراحل تھے، جن میں موسمی سختی، مالی تنگی اور اہل و عیال سے دوری سبھی کچھ تھا؛ اتنی محنت صرف وہی شخص برداشت کر سکتا ہے جسے علم سے عشق کی حد تک لگاؤ ہو۔ ان کے لگاؤ کا دوسرا مظاہر ان کی تصنیفی رفتار ہے: کم و بیش چالیس کے قریب تصانیف ان کی طرف منسوب ہیں، جن میں سے کئی ضخیم کتابیں ہیں۔ تیسرا مظاہر ان کا ذوقِ تحقیق ہے: وہ روایت نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ راویوں کی توثیق و تضعیف، احادیث کی علتوں اور فقہی استدلال پر بھی لکھتے تھے، اور مشکل مسائل میں اپنا موقف دلیل کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ چوتھا مظاہر علم کی اشاعت کا جذبہ ہے: وہ تدریس کرتے، قضا کے منصب کے ساتھ علمی حلقے قائم رکھتے اور طلبہ کو اپنے ذخیرے سے فیض پہنچاتے۔ روایت ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی کتب خانہ و تصانیف طلبہ کے استفادے کے لیے وقف کرنے کی سوچ بھی رکھی۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لگاؤ وقتی جوش نہیں بلکہ زندگی بھر کی منظم محنت تھی، جس نے انھیں وفات کے ڈیڑھ ہزار سال بعد بھی کتب خانوں میں زندہ رکھا ہے۔

جدول 1: امام ابن حبان کی نمایاں تصانیف اور ان کا موضوع

موضوع / اہمیت	کتاب
احادیثِ صحیحہ کی منفرد منطقی ترتیب؛ فقہاء و محدثین کا معتبر مصدر	صحیح ابن حبان (التقاسیم والانواع)
ثقہ راویوں کے تراجم؛ رجال شناسی کا بنیادی ماخذ	کتاب الثقات
ضعیف و مجروح راویوں کی جرح کی تفصیل؛ تنقیدِ رجال کی اہم کتاب	کتاب المجروحین
اخلاق و آداب و حکمت پر لطیف تصنیف؛ شخصیت سازی کا ماخذ	روضۃ العقلاء ونزھۃ الفضلاء
مختلف شہروں کے مشہور علماء کے مختصر تراجم؛ تاریخِ علم کا ماخذ	مشاہیر علماء الامصار

علمی خدمات کا جائزہ

ابن حبان کی علمی خدمات کو چند بڑے شعبوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پہلی خدمت تدوین و ترتیبِ حدیث ہے: صحیح ابن حبان نے صحیح احادیث کے ایک بڑے ذخیرے کو نئی ترتیب کے ساتھ محفوظ کیا، بعد میں اس کی ترتیب کو عام فہم بنانے کے لیے ابن بلبان نے "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان" کے نام سے اسے فقہی ابواب پر دوبارہ مرتب کیا، جس سے آج کے قاری کے لیے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ دوسری خدمت علمِ رجال ہے: الثقات اور المجروحین نے راویوں کی شناخت میں بعد کے محدثین، خصوصاً ذہبی اور ابن حجر، کو بنیادی مواد فراہم کیا۔ تیسری خدمت فقہ و اصول میں ہے: ان کے اجتہادات اور حدیث سے استدلال کا انداز شافعی فقہ کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتا ہے، اور ان کی کتابوں سے بعد کے فقہاء نے بکثرت نقل کیا۔ چوتھی خدمت اخلاق و سیرت کی تصانیف ہیں، خصوصاً روضۃ العقلاء، جو دینی ادب کی دلچسپ اور پُر اثر کتاب ہے اور بتاتی ہے کہ ابن حبان محض ناقد نہیں، مربی بھی تھے۔ پانچویں خدمت تدریس و تربیت کی ہے، جس کے ذریعے ان کے علمی اثرات خراسان و ماوراء النہر کے حلقوں میں پھیلے۔ ان خدمات کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث، رجال اور فقہ کے درمیان جو ربط ابن حبان نے قائم کیا وہ بعد کی علمی روایت کا مستقل حصہ بن گیا، اور آج بھی محقق جب کسی راوی یا حدیث پر کام کرتا ہے تو ان کی کتابیں اس کے اولین مآخذ میں شامل ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کورس کے اس سوال میں ان کی شخصیت کو مصادرِ حدیث کے مطالعے کا حصہ بنایا گیا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد بن حبان البستی (وفات 354ھ) اپنے عہد کے جلیل القدر محدث، فقیہ اور ناقدِ رجال تھے۔ ان کے علمی مقام کی بنیاد صحیح ابن حبان کی منفرد ترتیب، الثقات و المجروحین جیسی رجال کی کتابیں اور ان کا تحقیقی منہج ہے، اگرچہ بعض مسائل میں ان پر اہلِ علم کی تنقیدی گفتگو بھی موجود ہے جو ان کی اجتہادی حیثیت کی دلیل ہے۔ علم سے ان کے لگاؤ کا ثبوت ان کے ملک گیر اسفار، سینکڑوں شیوخ سے استفادہ اور درجنوں تصانیف ہیں۔ ان کی خدمات نے حدیث کی تدوین، رجال کی تنقید، فقہی استدلال اور اخلاقی ادب، چاروں میدانوں کو مالا مال کیا اور یہ سبق دیا کہ علمی مقام محنت، سفر اور مستقل مزاجی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

سوال نمبر 3: امام ابنِ خزیمہ کے اخلاقی اوصاف (20 نمبر)

سوال نمبر 3: امام ابن خزیمہ کے اخلاقی اوصاف بیان کریں۔ (20)

تعارف

امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ (223ھ تا 311ھ) کو علماء نے "امام الائمہ" کا لقب دیا، اور یہ لقب صرف ان کے علم کی وسعت پر نہیں ملا تھا بلکہ ان کے اخلاق و کردار کی بلندی بھی اس کی بنیاد تھی۔ سوال میں ان کے اخلاقی اوصاف بیان کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، اس لیے اس جواب کا محور ان کی سیرت و کردار ہو گا، اگرچہ پس منظر کے طور پر ان کا مختصر تعارف بھی دیا جائے گا تاکہ ان کے اخلاق کی جڑیں سمجھ میں آئیں۔ ابن خزیمہ نیشاپور کے رہنے والے تھے، جو اس دور میں خراسان کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ انہوں نے امام اسحاق بن راہویہ، امام محمد بن یحییٰ ذہلی اور دیگر کبار سے علم حاصل کیا، مصر و شام و عراق و حجاز کے اسفار کیے، اور صحیح ابن خزیمہ اور کتاب التوحید جیسی یادگار تصانیف چھوڑیں۔ محدثین کے ہاں یہ حقیقت مسلم ہے کہ راوی و محدث کا اصل سرمایہ اس کی دیانت و اخلاق ہوتا ہے، کیونکہ حدیث امانت ہے اور امانت اسی کے پاس محفوظ رہتی ہے جس کا کردار پاکیزہ ہو۔ امام ابن خزیمہ کی زندگی اس اصول کی عملی تفسیر ہے۔ ذیل میں ان کے اخلاقی اوصاف کو طلبِ علم میں اخلاص و محنت، زہد و تقویٰ، سخاوت و ایثار، اساتذہ و اہلِ علم کا احترام، حق گوئی و دیانت، اور تواضع و خدمت جیسے عنوانات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ تمام اوصاف تراجم کی معتبر کتابوں، خصوصاً ذہبی کی سیر اعلام النبلاء اور ابن حجر و دیگر محدثین کے تذکروں، میں منقول عمومی سیرتی خاکے کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں۔

اخلاص اور طلبِ علم میں غیر معمولی محنت

ابن خزیمہ کے اخلاق کا پہلا اور بنیادی وصف طلبِ علم میں خلوص اور بے مثال محنت ہے۔ انہوں نے نیشاپور کے علمی ماحول میں بچپن ہی سے اپنے والد کی سرپرستی میں قرآن و حدیث کی طرف توجہ کی، اور نوجوانی میں حج کے سفر کے ساتھ ساتھ مصر، شام، جزیرہ اور عراق کے شیوخ سے علم حاصل کرنے کے لیے طویل سفر اختیار کیے۔ اس دور کے سفر کا مطلب تھا مہینوں کی مسافت، نامعلوم راستے اور محدود وسائل؛ جو شخص اس صعوبت کو خوش دلی سے برداشت کرے اس کے اخلاص میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ ان کی

محنت کا دوسرا پہلو حفظ و مطالعے کی پابندی ہے: مؤرخین نقل کرتے ہیں کہ وہ احادیث کی تحصیل میں اس درجہ مصروف رہتے تھے کہ ان کا شمار اپنے عہد کے حفاظ میں ہونے لگا اور ان کے ہم عصر انہیں حافظِ حدیث تسلیم کرتے تھے۔ تیسرا پہلو یہ کہ انہوں نے علم کو تجارت نہیں بنایا؛ درس و تدوین ان کی زندگی کا مقصد تھی، اور صحیح ابن خزیمہ کی تالیف میں انہوں نے جس شرط و احتیاط کا اعلان کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر روایت کو ذمہ داری کے احساس سے لیتے تھے۔ ایسا استقامت بھرا اخلاص آج کے طالب علم کے لیے سب سے پہلا سبق ہے کہ علم کا حصول آرام طلبی سے نہیں، محبت اور قربانی سے ہوتا ہے۔

زہد، تقویٰ اور خوفِ خدا

دوسرا نمایاں وصف ان کا زہد و تقویٰ ہے۔ امام الائمہ کے درجے، وسیع علمی شہرت اور عوامی مقبولیت کے باوجود ان کی زندگی سادگی سے عبارت تھی۔ انہیں دنیا کی زیب و زینت اور مناصب کی طرف رغبت نہیں تھی؛ وہ عبادت گزار، خدا ترس اور آخرت کی فکر رکھنے والے عالم تھے۔ تراجم میں ان کی عبادت میں خشوع، لمبی نمازوں اور اللہ کے ذکر سے شغف کا ذکر ملتا ہے، اور یہ کیفیات ان کی تصانیف خصوصاً کتاب التوحید کے اسلوب سے بھی جھلکتی ہیں، جس میں وہ عقیدے کے مسائل کو خشیت بھرے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے تقویٰ کا ایک پہلو ورع تھا: مشکوک چیزوں سے احتراز، گفتار میں احتیاط اور روایت میں آخری درجے کی پرہیز گاری اس ورع کی عملی صورتیں تھیں۔ محدث کے لیے ورع محض ذاتی صفت نہیں بلکہ پیشہ ورانہ شرط بھی ہے، کیونکہ ضعیف یا مشتبہ روایت کو صحیح کہہ دینا دیانت کے خلاف ہے؛ ابن خزیمہ نے اس معاملے میں اپنے اصول واضح رکھے اور اپنی صحیح میں صرف وہی روایات درج کرنے کی کوشش کی جو ان کے معیار پر پوری اترتی تھیں۔ اسی خوفِ خدا نے ان میں وہ جرات بھی پیدا کی کہ وہ طاقتور حلقوں کے دباؤ کے بغیر علمی موقف اختیار کرتے تھے، کیونکہ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ مخلوق سے بے خوف ہو جاتا ہے۔

سخاوت، ایثار اور طلبہ نوازی

تیسرا وصف ان کی سخاوت اور طلبہ کے ساتھ ایثار ہے۔ نیشاپور میں ان کا علمی حلقہ وسیع تھا اور دور دراز سے طالب علم ان کے پاس آتے تھے۔ تراجم کی روایت کے مطابق وہ طلبہ کی مہمان نوازی اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے اور اپنے گھر و مجلس کو علم کے لیے وقف کیے ہوئے تھے۔ اہلِ علم کا یہ طرزِ عمل دراصل سنتِ علمیہ ہے کہ عالم اپنا مال،

وقت اور مکان سب کچھ علم کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ابن خزیمہ کی سخاوت صرف مالی نہیں تھی بلکہ علمی سخاوت اس سے بھی بڑی تھی: وہ اپنے حاصل کیے ہوئے علمی خزانے کو بخل سے محفوظ رکھنے کے بجائے کھلے دل سے بانٹتے تھے، طلبہ کے سوالات کا جواب دیتے، ان کی کتابوں کی تصحیح میں مدد کرتے اور انہیں شیوخ تک پہنچنے کی رہنمائی دیتے۔ یہی طلبہ نوازی تھی جس نے ان کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت تیار کی، جن میں امام ابن حبان جیسے ممتاز محدث شامل ہیں، اور جن کے ذریعے ان کا علم پوری اسلامی دنیا میں پھیل گیا۔ سخاوت کے اس وصف نے ان کی شخصیت کو صرف محقق نہیں بلکہ مربی بھی بنا دیا، اور یہی کردار کسی امام کو محض عالم سے بڑھا کر رہنما بناتا ہے۔

اساتذہ کا احترام، حق گوئی اور علمی دیانت

چوتھا وصف اساتذہ و اہلِ علم کا احترام اور ساتھ ساتھ علمی معاملات میں بے لاگ حق گوئی ہے۔ ابن خزیمہ نے اپنے اساتذہ، خصوصاً اسحاق بن راہویہ اور محمد بن یحییٰ ذہلی، کی صحبت سے بھرپور استفادہ کیا اور عمر بھر ان کے ادب کو ملحوظ رکھا۔ دوسری طرف جہاں علمی غلطی دیکھتے وہاں بغیر ذاتی عناد کے اصلاح کرتے؛ ان کے اور بعض ہم عصر علماء کے درمیان بعض مسائل میں علمی اختلافات کی روایات بھی ملتی ہیں، جو اس دور کے علمی ماحول کا معمول تھیں، مگر ان اختلافات میں بھی ان کا اسلوب دلائل کی زبان رہا، ذاتیات کی نہیں۔ حق گوئی کا ایک مظہر ان کا عقیدے کے باب میں واضح اور دوٹوک موقف ہے: کتاب التوحید میں انہوں نے سنت کے عقائد کو قرآنی و نبوی دلائل سے اس جرات سے بیان کیا کہ بعد کے علماء نے اسے اس موضوع کی بنیادی کتاب تسلیم کیا۔ علمی دیانت کا تقاضا بھی انہوں نے پورا کیا: احادیث کی اسناد مکمل نقل کرنا، راویوں کے بارے میں سنی سنائی بات کے بجائے تحقیق پر بھروسا کرنا، اور اپنی کتاب کی شرائط کو مقدمے میں خود واضح کر دینا، یہ سب اسی دیانت کی شکلیں ہیں۔ ایک محدث کے لیے یہ اوصاف اس لیے بھی غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں کہ انھی کی بنیاد پر اس کی روایت پر دنیا اعتبار کرتی ہے۔

جدول 1: امام ابن خزیمہ کے اخلاقی اوصاف — خلاصہ

عملی مظہر	وصف
نوجوانی سے ملک گیر اسفارِ علمیہ؛ حفظ و تدوین میں عمر بھر استقامت	اخلاص و محنت

سادہ زندگی، عبادت و ورع؛ روایت میں آخری درجے کی احتیاط	زہد و تقویٰ
طلبہ کی مہمان نوازی اور علمی خزانے کی بے بخل اشاعت	سخاوت و ایثار
اساتذہ کا ادب؛ عقیدہ و علم میں دلیل پر مبنی دوٹوک موقف	احترام و حق گوئی
شہرت کے باوجود عاجزی؛ طالب علموں کی حمایت و سرپرستی	تواضع و خدمت

تواضع، صبر اور حسنِ سلوک

پانچواں وصف ان کی تواضع اور حسنِ اخلاقِ معاشرت ہے۔ بڑے علمی مرتبے کے باوجود ان کے مزاج میں غرور نہیں تھا؛ وہ خود کو طالب علم ہی سمجھتے تھے اور اپنے سے کم علم رکھنے والوں کی بات بھی توجہ سے سنتے تھے۔ علمی مجالس میں ان کا انداز نرمی اور شائستگی کا تھا، اور طلبہ ان کے پاس بے جھجک سوالات کرتے تھے۔ صبر ان کے اخلاق کا دوسرا رخ تھا: درس و تحقیق کے طویل مراحل، سفر کی مشقتیں اور علمی مخالفوں کی باتیں، ان سب کو انہوں نے صبر و بردباری سے برداشت کیا اور کردار کی اس پختگی نے انہیں اپنے شہر اور عہد کا مرجع بنا دیا۔ ان کے اوصاف کا ایک پہلو اہلِ خانہ اور معاشرے کے ساتھ حسنِ سلوک بھی ہے؛ تذکروں میں ان کی شخصیت کو ایک ذمہ دار، نرم خو اور خدمت گزار انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ تمام اوصاف مل کر بتاتے ہیں کہ "امام الائمہ" کا خطاب محض حافظے کی قوت پر نہیں ملا تھا؛ یہ اس مکمل شخصیت کا اعتراف تھا جس میں علم، تقویٰ، سخاوت اور تواضع ایک ساتھ جمع تھے۔ آج کے طالب علم کے لیے اس سیرت کا پیغام واضح ہے: سند و کتاب کے ساتھ ساتھ ان اخلاق کو اپنانا ہی علمِ حدیث کی اصل میراث ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابن خزیمہ کے اخلاقی اوصاف میں اخلاص و محنت، زہد و تقویٰ و ورع، سخاوت و ایثار، اساتذہ کا احترام، حق گوئی و علمی دیانت، تواضع و صبر اور حسنِ سلوک نمایاں ہیں۔ انہوں نے نیشاپور سے شروع ہو کر مشرق و مغرب کے اسفار کیے، صحیح ابن خزیمہ اور کتاب التوحید جیسے علمی شاہکار چھوڑے، اور اپنی زندگی سے ثابت کیا کہ

محدث کی سچائی اس کے کردار ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ ان کے یہ اوصاف ہی تھے جن کی بنا پر اہلِ علم نے انہیں امام الائمہ کہا اور ان کی روایت و تصنیف کو صدیوں تک مستند مانا۔

طالب علم کے لیے ان کی سیرت ایک عملی درس ہے کہ علم کے ساتھ اخلاق کی پابندی ہی علمی مقام کی اصل بنیاد ہے۔

سوال نمبر 4: نمازِ فجر و عصر کی فضیلت اور عصر کے ترک پر وعید — احادیث کی روشنی میں (20 نمبر)

سوال نمبر 4: نماز فجر اور عصر کی فضیلت اور عصر کی نماز کے ترک پر وعید احادیث کی روشنی میں تحریر کریں۔ (20)

تعارف

نماز اسلام کا ستون اور مومن کی معراج ہے، اور پانچوں نمازوں میں فجر اور عصر کو احادیث میں خاص مقام دیا گیا ہے۔ اس میں دو باتوں کا مطالبہ ہے: ایک، نمازِ فجر اور عصر کی فضیلت احادیث کی روشنی میں بیان کی جائے؛ دوسرے، عصر کی نماز ترک کرنے پر جو وعید احادیث میں آئی ہے اسے بھی جمع کیا جائے۔ اس موضوع کی اہمیت یہ ہے کہ یہ دونوں اوقات انسان کی غفلت کے اوقات ہیں: فجر نیند کے غلبے کا وقت ہے اور عصر کاروبار و مصروفیت کے اختتام کا، اسی لیے شریعت نے ان دونوں کی حفاظت پر خصوصی زور دیا اور خصوصی اجر و انعام کا وعدہ فرمایا۔ اس جواب میں احادیث کے مفاہیم معتبر حوالوں (صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ) کی طرف نسبت کے ساتھ اپنے الفاظ میں پیش کیے گئے ہیں؛ عربی متن اور دقیق درجے کی تصدیق کے لیے طالب علم اپنی درسی کتاب اور اصل کتبِ حدیث سے رجوع کرے، اور یہی طریقہ اس گائیڈ میں پورے مضمون میں اختیار کیا گیا ہے۔ نیز جہاں وعید کی تشریح کا سوال آئے گا وہاں محدثین و شارحین کی علمی توجیہات کا ذکر توازن کے ساتھ کیا جائے گا، کیونکہ کسی خاص شخص یا فرد پر کسی وعید کا اطلاق کرنا اس تحریر کا موضوع نہیں؛ یہ دینی احکام کی تعلیم و تفہیم ہے، افراد پر حکم لگانا اہلِ علم و اہلِ اختیار کا کام ہے۔

نمازِ فجر کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

فجر کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نماز اللہ کی حفاظت و ضمانت کا ذریعہ ہے۔ صحیح مسلم میں اس مفہوم کی حدیث ہے کہ جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کے ذمے و حفاظت میں آ گیا، اس لیے کسی کو اس حفاظت کو توڑنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فجر پڑھنے والا دن کا آغاز اللہ کی امان میں کرتا ہے، اور یہ امان اس کے پورے دن کی زندگی، رزق اور فیصلوں پر برکت کا سایہ بن جاتی ہے۔ دوسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ فجر کی دو رکعت سنتیں دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں (صحیح مسلم)، اور جب سنتوں کا یہ درجہ ہے تو فرض نماز کا اجر اس سے کہیں بڑھ کر ہو گا۔ تیسری فضیلت یہ ہے کہ فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں: قرآن مجید میں بھی فجر کے قرآن (تلاوت) کو مشہود قرار دیا گیا ہے، اور احادیث میں آیا ہے کہ رات اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں اور پھر اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اپنے بندوں کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز پڑھتے پایا۔ چوتھی فضیلت قیامت کے دن نور کی بشارت ہے: جو شخص اندھیرے میں مسجد کی طرف چل کر جاتا ہے اسے قیامت کے دن کامل نور کی خوشخبری دی گئی ہے، اور اس کا سب سے بڑا مصداق فجر و عشاء کی حاضری ہے۔ پانچویں فضیلت یہ ہے کہ فجر و عشاء کی نماز منافق پر سب سے بھاری ہے، اور ان دونوں کی جماعت میں حاضر ہونے والے کو آدھی رات یا پوری رات کے قیام کا ثواب ملنے کی بشارتیں بھی احادیث میں موجود ہیں۔ ان تمام فضائل کا حاصل یہ ہے کہ فجر دراصل پورے دن کی روحانی بنیاد ہے؛ جو اس بنیاد کو مضبوط کر لے اس کے بقیہ اعمال بھی اس نور سے منور ہوتے ہیں۔

نمازِ عصر کی فضیلت احادیث کی روشنی میں

عصر کی نماز کو قرآن مجید میں "نمازِ وسطیٰ" کی حفاظت کے حکم کے ساتھ خاص جوڑا جاتا ہے، اور جمہور مفسرین کے نزدیک نمازِ وسطیٰ سے مراد یہی نمازِ عصر ہے، اس لیے اس کی تاکید دیگر نمازوں سے بھی بڑھ کر آئی ہے۔ صحیحین میں اس مفہوم کی مشہور حدیث ہے کہ دو "ٹھنڈی نمازیں" یعنی فجر اور عصر پڑھنے والا جنت میں داخل ہو گا؛ ان نمازوں کو بَرَدَین (دو ٹھنڈکوں والی) اس لیے کہا گیا کہ یہ دن کے دو نسبتاً ٹھنڈے کناروں پر واقع ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کے اجتماع کی فضیلت عصر میں بھی حاصل ہوتی ہے: احادیث میں ہے کہ دن اور رات کے فرشتے عصر اور فجر میں بدلتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں ان سے دریافت فرماتا ہے تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم ان کے پاس آئے

تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب چھوڑا تو بھی نماز پڑھ رہے تھے؛ اس گواہی سے بڑی فضیلت کیا ہو سکتی ہے کہ بندے کا ذکر عرش کے سامنے نماز کی حالت میں ہو۔ ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا اس کا اہل و مال لوٹ گیا، جس سے اس نماز کی قدر کا اندازہ ہوتا ہے۔ عصر کی فضیلت کا ایک پہلو اس کا وقت بھی ہے: دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد جب انسان تھک کر گھر لوٹتا ہے تو یہ نماز اس کا رخ دوبارہ اپنے خالق کی طرف موڑ دیتی ہے، اسے تازہ دم کرتی ہے اور دن کے اعمال کا حسن خاتمہ بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین عصر کی جماعت کی حفاظت کو اپنی زندگی کا معمول بنائے ہوئے تھے اور اس کی پابندی کو انسان کی دینداری کی علامت سمجھتے تھے۔

جدول 1: فجر و عصر کی منتخب فضائل — احادیث کے مفاہیم کا خلاصہ

عصر	فجر	فضیلت
فرشتوں کی تبدیلی کا وقت؛ نماز کی گواہی	رات و دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں	فرشتوں کا اجتماع و گواہی
نمازِ وسطیٰ کی حفاظت کا حکم؛ جنت کی بشارت (بردین میں شامل)	اللہ کی حفاظت و ضمانت؛ سنتوں کو دنیا سے بہتر قرار دیا گیا	خاص وعدۂ اجر
ترک پر عمل کے حبط ہونے کی سخت وعید آئی	جماعت سے پیچھے رہنا نفاق کی علامتوں میں شمار ہوا	ترک پر تنبیہ

عصر کی نماز کے ترک پر وعید — احادیث کی روشنی میں

عصر کی نماز ترک کرنے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں جن کا مقصد اس نماز کی عظمت کو دلوں میں بٹھانا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں اس مفہوم کی حدیث مروی ہے کہ جس شخص کی عصر کی نماز چھوٹ گئی اس کے عمل حبط (ضائع) ہو گئے۔ یہ الفاظ انتہائی سخت ہیں اور شارحین نے اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں: بعض کے نزدیک اس سے مراد اس دن کے عمل کا ثواب کم یا ضائع ہونا ہے، بعض نے کہا کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو اس نماز کو قصداً اور ہلکا سمجھ کر ترک کرے اور اسے معمول بنا لے، اور بعض نے اسے تغلیظ و تنبیہ کے اسلوب میں سمجھا ہے جس کا مقصد نماز کی اہمیت اجاگر کرنا ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت کا مفہوم ہے کہ جس نے عصر کی نماز (قصداً) ترک کی

اس کا عمل برباد ہوا؛ دونوں روایات کا حاصل یہ ہے کہ عصر کا ترک عام غفلت نہیں بلکہ دین کے ایک عظیم رکن کی توہین کے مترادف سمجھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث و آیات میں نمازوں کی پابندی کو ایمان کی علامت اور ان کی ضیاع کو خواہشات کی پیروی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، اور نماز کو جان بوجھ کر ترک کرنے کی وعیدیں دیگر نمازوں کے لیے بھی عام طور پر وارد ہیں۔ یہاں یہ علمی وضاحت ضروری ہے کہ ان وعیدوں کے دقیق فقہی و اعتقادی اطلاق میں اہلِ علم کی تفصیلی بحثیں موجود ہیں؛ اس لیے طالب علم کا کام ان نصوص کو سمجھنا اور اپنے عمل کی اصلاح کرنا ہے، کسی فرد کے بارے میں حتمی دینی فیصلہ سنانا اس کا منصب نہیں، وہ مستند علماء اور شرعی نظام کا اختصاص ہے۔ البتہ بطورِ تعلیم یہ حقیقت قطعی ہے کہ عصر کی نماز کی حفاظت پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے اور اس کی کوتاہی کو ہلکا نہیں لیا گیا۔

حکمت، اسباق اور عملی تدابیر

ان فضائل و وعیدوں کی حکمت پر غور کریں تو تین بڑے اسباق سامنے آتے ہیں۔ پہلا سبق یہ کہ نمازوں میں سب سے زیادہ حفاظت مشکل اوقات کی نمازوں ہی کی مطلوب ہے، کیونکہ عبادت کی قیمت اس کی مشقت اور اخلاص سے بڑھتی ہے؛ فجر کی نیند قربان کرنا اور عصر کی مصروفیت چھوڑنا دونوں خودی پر قابو پانے کی عملی تربیت ہیں۔ دوسرا سبق یہ کہ فرشتوں کی گواہی اور اللہ کی حفاظت جیسی بشارتیں بندے کو یہ احساس دلاتی ہیں کہ اس کی عبادت دیکھی جا رہی ہے اور محفوظ کی جا رہی ہے، یہ احساس انسان کی زندگی میں استقامت پیدا کرتا ہے۔ تیسرا سبق یہ ہے کہ وعید کا اسلوب محبت ہی کی ایک صورت ہے: جس عمل کی ناکامی پر اتنی بڑی تنبیہ ہو، اس کی کامیابی کا انعام اس سے کہیں بڑا ہو گا۔

عملی تدابیر کے طور پر علماء و سلف کی سیرت سے جو باتیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں: فجر کے لیے رات کو جلد سونا اور بیداری کا اہتمام کرنا، عصر کے لیے کاروبار میں نماز کے وقفے کو پہلے سے مقرر کر لینا، جماعت کی پابندی کو عادت بنانا، اور ان دونوں نمازوں میں کوتاہی کو اپنی روحانی زندگی کا سنگین نقصان سمجھنا۔ یاد رہے کہ یہ موضوع نصیحت و تربیت کا ہے؛ اس کا مقصد دلوں میں نماز کی محبت پیدا کرنا ہے، نہ کہ کسی کے متعلق فیصلے صادر کرنا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث کی روشنی میں نمازِ فجر کو اللہ کی حفاظت و ضمانت، فرشتوں کی حاضری، دنیا سے بہتر سنتوں اور قیامت کے نور کی بشارت جیسی فضیلتیں حاصل ہیں، جبکہ نمازِ عصر کو نمازِ وسطیٰ ہونے، بردَین میں شامل ہونے اور فرشتوں کی گواہی جیسی خصوصیات حاصل ہیں۔ عصر کی نماز کے قصداً ترک پر احادیث میں عمل کے حبط ہونے کی سخت وعید آئی ہے جس کی تشریح میں شارحین نے اس دن کے اعمال کے ضائع ہونے کا دل بنا لینے کی صورت اور تغلیظِ تنبیہ جیسی توجیہات پیش کی ہیں۔ ان سب نصوص کا حاصل یہ ہے کہ دونوں نمازوں کی حفاظت مومن کی زندگی کا لازمی حصہ ہے، اور ان کی تعلیم کا مقصد خوف کے ساتھ امید اور محبت کی فضا میں عمل کی اصلاح ہے۔

سوال نمبر 5: امام ابو حنیفہ کے حالاتِ زندگی (20 نمبر)

سوال نمبر 5: امام ابو حنیفہ کے حالات زندگی تحریر کریں۔ (20)

تعارف

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (80ھ تا 150ھ) فقہِ اسلامی کی تاریخ کے ان عظیم ائمہ میں سے ہیں جن کے نام سے ایک عظیم فقہی مکتب، فقہِ حنفی، وابستہ ہے اور جن کی آراء آج دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کی عملی زندگی کی رہنمائی کرتی ہیں۔ سوال میں ان کے حالاتِ زندگی تحریر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس جواب میں ان کی پیدائش و خاندان، تعلیم و اساتذہ، درس و فقہی منہج کی بنیادیں، ان کے نمایاں تلامذہ و علمی اثرات، ان کی تجارت و کردار، قضا کے منصب سے انکار اور اس کے واقعات، وفات اور ان کے علمی مقام کو ترتیب سے بیان کیا جائے گا۔ امام صاحب کا مطالعہ کورس "مطالعہ مصادر حدیث" میں اس لیے بھی شامل ہے کہ اگلی مشق میں انہی سے مروی "مسانید ابی حنیفہ" کا تعارف مطلوب ہے؛ اس لیے ان کی حدیث سے نسبت کا پہلو بھی اس جواب میں واضح کیا جائے گا۔ سوانح کی تفصیلات میں جہاں روایات مختلف ہیں، مثلاً بعض واقعات کی دقیق ترتیب میں، وہاں مشہور و راجح روایت کو بنیاد بنایا گیا ہے اور اختلاف کا اجمالی ذکر کر دیا گیا ہے، کیونکہ یہی علمی امانت کا تقاضا ہے۔

پیدائش، خاندان اور ابتدائی زندگی

امام ابو حنیفہ کا اصل نام نعمان بن ثابت بن زوطی ہے اور ابو حنیفہ ان کی کنیت ہے، جس سے وہ دنیا بھر میں مشہور ہوئے۔ ان کی ولادت اسی ہجری میں کوفہ (عراق) میں ہوئی، جو اس وقت علم و فقہ کا عظیم مرکز تھا اور جہاں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی علمی روایت قائم تھی۔ ان کے والد ثابت ایک خوشحال تاجر تھے؛ خاندان کا پیشہ ریشم کی تجارت تھا اور امام صاحب نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا، چنانچہ وہ اپنی کاروبار کے ذریعے حلال روزگار کماتے اور اسی آمدنی سے علمی زندگی بسر کرتے، جس نے ان کے اندر خودداری اور کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے کی صفت پیدا کی۔ روایات میں آتا ہے کہ ان کے دادا ماہ کی ملاقات و دعا سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے ہونے کی خاندان میں شہرت تھی؛ اس روایت کی تفصیلات میں گفتگو موجود ہے، اس لیے اسے یقینی تاریخی واقعے کے بجائے مشہور خاندانی روایت کے طور پر ہی ذکر کرنا مناسب ہے۔ امام صاحب نے کم عمری میں قرآن مجید حفظ کیا، عربی زبان، ادب، صرف و نحو اور اس دور کے مروجہ علوم حاصل کیے، ابتدا میں علمِ کلام کی طرف بھی توجہ رہی، پھر فقہ کی طرف ایسے رجوع ہوئے کہ اسی میں ان کی شہرت و مقام کی بنیاد پڑ گئی۔ کوفے کے علمی ماحول، صحابہ و تابعین کے آثار کی موجودگی اور قضایا و نوازل کی کثرت نے ان کی ذہنی بصیرت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اساتذہ اور فقہی تربیت

امام ابو حنیفہ نے متعدد کبار تابعین و ائمہ سے علم حاصل کیا۔ کوفے میں ان کے سب سے اہم استاد امام حماد بن ابی سلیمان ہیں، جن کی مجلس سے وہ تقریباً اٹھارہ سال وابستہ رہے اور ان کی وفات کے بعد انہی کی مسندِ درس پر بیٹھے؛ یہ طویل مصاحبت ان کے منہج کی اصل جڑ ہے۔ حماد خود ابراہیم نخعی کے شاگرد تھے اور نخعی علقمہ کے، اور علقمہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگرد تھے؛ یوں امام صاحب کی فقہ کی سند علمی معنوں میں کوفے کی صحابی روایت سے جڑ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح سے ملاقات و استفادہ کیا، امام زید بن علی، امام جعفر صادق، نافع مولیٰ ابن عمر اور دیگر ائمہ سے بھی روایت و ملاقات کی روایات ملتی ہیں، اور حج کے اسفار میں حرمین کے علماء سے تبادلۂ علم ہوتا رہا۔ حدیث کے باب میں وہ عراق کے ان فقہاء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے روایات کو قبول کرنے میں سخت شرائط رکھی تھیں؛ ان کے ہاں خبر کی صحت پر اعتماد

اس دور کے اہلِ عراق کی وضع واختلاق کے ماحول میں ایک حفاظتی تدبیر تھی، اسی لیے ان کی فقہ قرآن، مشہور سنت، آثارِ صحابہ، قیاس اور استحسان کے متوازن استعمال پر قائم ہوئی۔ ان کے حالات کا یہ پہلو بتاتا ہے کہ ابو حنیفہ محض قیاس کے عالم نہیں تھے بلکہ روایت واثر کی ٹھوس بنیاد پر کھڑے فقیہ تھے۔

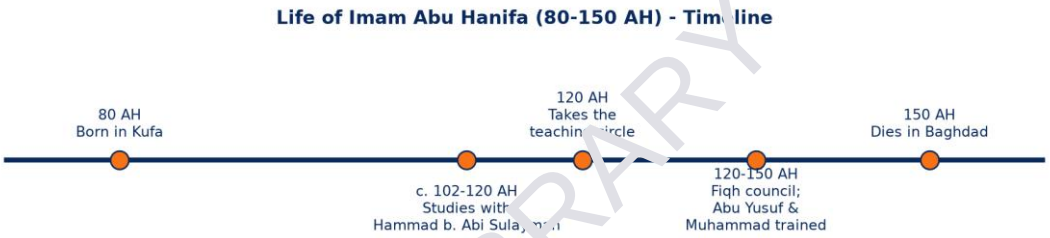

شکل 1: امام ابو حنیفہ کی زندگی کے اہم مراحل — زمانی خاکہ

درس، فقہی مجلس اور نمایاں تلامذہ

حماد بن ابی سلیمان کی وفات (120ھ) کے بعد امام ابو حنیفہ کوفے میں ان کی جگہ درس دینے لگے اور جلد ہی ان کا حلقہ عراق کی سب سے بڑی علمی مجلس بن گیا۔ ان کے درس کا منفرد پہلو یہ تھا کہ وہ مسائل کو اجتماعی بحث سے حل کرتے تھے: فرضی وواقعی مسائل پیش ہوتے، شاگرد دلائل دیتے، نقد و نظر ہوتا، اور آخر میں ترجیح شدہ رائے ضبط کر لی جاتی؛ اسی مجلس کی روایت بعد میں فقہِ حنفی کی باقاعدہ تدوین کی بنیاد بنی۔ ان کے نمایاں تلامذہ میں امام ابو یوسف (یعقوب بن ابراہیم، وفات 182ھ) جو بعد میں قاضی القضاۃ ہوئے اور کتاب الخراج جیسی تصنیف چھوڑی، امام محمد بن حسن شیبانی (وفات 189ھ) جنہوں نے فقہِ حنفی کی بنیادی کتابیں (ظاہر الروایہ) مدون کیں، امام زفر بن ہذیل، حسن بن زیاد اور دیگر کبار شامل ہیں۔ انہی شاگردوں کے ذریعے امام صاحب کے اقوال واصول نقل ہوئے، کیونکہ امام صاحب کی اپنی تصانیف محدود ہیں: الفقہ الاکبر جیسی رسالہ جاتی تحریریں، الوصیہ، اور شاگردوں کے ذریعے منقول کتاب الآثار کی روایتیں ان کے علمی اثرات کا بنیادی ذریعہ ہیں۔ یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ فقہِ حنفی ایک فرد کی نہیں بلکہ چالیس سالہ اجتماعی علمی مجلس کی پیداوار ہے، جس کی قیادت امام ابو حنیفہ کے پاس تھی۔ تجارت کی وجہ سے انہیں بازار، معاملات اور عوامی زندگی کا براہِ راست تجربہ تھا، اس لیے ان کی فقہ میں عملی زندگی کی رعایت نمایاں نظر آتی ہے، اور یہی ان کی پائیدار مقبولیت کا راز ہے۔

جدول 1: امام ابو حنیفہ کی زندگی کے اہم مراحل

واقعہ یا مرحلہ	مدت / سنہ
کوفہ میں ولادت؛ عجر خاندان؛ ریشم کا کاروبار	80ھ
حماد بن ابی سلیمان کی طویل مصاحبت (تقریباً 18 سال) اور ان سے استفادہ	نوجوانی تا 102ھ کے بعد
حماد کی وفات کے بعد کوفے میں مسندِ درس سنبھالنا	120ھ
مشہور فقہی مجلس؛ ابو یوسف و محمد سمیت کبار تلامذہ کی تربیت	120ھ تا 150ھ
بغداد میں انتقال؛ باب الخیزران قبرستان میں تدفین	وفات 150ھ

قضا سے انکار، آزمائش اور وفات

امام ابو حنیفہ کی زندگی کا سب سے مشہور باب ان کا سرکاری منصب سے انکار اور اس پر ثابت قدمی ہے۔ اموی دور میں عراق کے گورنر نے انہیں قضا یا بیت المال کی ذمہ داری کی پیش کش کی جسے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور اس پر سختی بھی برداشت کی۔ بعد میں عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے بھی انہیں بغداد میں قاضی القضاۃ کا منصب پیش کیا اور انکار پر وہ قید و آزمائش سے گزرے؛ اسی دور میں ڈیڑھ سو ہجری میں بغداد میں ان کا انتقال ہوا۔ ان واقعات کی بعض تفصیلات، مثلاً قید کی مدت اور سزا کی نوعیت، میں روایات کا اختلاف موجود ہے، اس لیے انہیں اجمالی طور پر بیان کرنا ہی احتیاط ہے، البتہ اصل بات جس پر مؤرخین کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ امام صاحب نے دنیوی دباؤ کے سامنے اپنی علمی و دینی آزادی کو ترجیح دی اور منصب کو قبول کر کے حق گوئی سے محروم ہونا پسند نہ کیا۔ ان کے انکار کی وجہ محض زہد نہیں تھی؛ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس منصب کے لیے خود کو اہل نہیں پاتے یا اس نظام میں عدل کی شرائط پوری کرنا مشکل ہے، اور ایک عالم کا یہ تواضع بھرا انکار ان کے تقویٰ کی دلیل ہے۔ وفات پر بغداد میں ان کے جنازے میں خلقِ

کثیر کی شرکت کی روایات ملتی ہیں اور انہیں باب الخیزران کے قبرستان میں دفن کیا گیا، جہاں آج بھی ان کا مزار موجود ہے۔ ان کی زندگی کا یہ اختتام ان کے اس کردار کی گواہی ہے کہ علم کی عزت اقتدار کی قربت سے نہیں، استقلال و دیانت سے قائم ہوتی ہے۔

علمی مقام اور اثرات

امام ابو حنیفہ کا علمی مقام صرف حنفی مکتب تک محدود نہیں۔ فقہ کے تمام بڑے ائمہ نے ان سے استفادے کا اعتراف کیا ہے؛ امام شافعی کا مشہور قول نقل کیا جاتا ہے کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے عیال (محتاج) ہیں، اور امام احمد بن حنبل سمیت دیگر ائمہ نے ان کی عبادت و ورع کی گواہی دی۔ حدیث کے باب میں ان کی حیثیت پر محدثین کی گفتگو بھی موجود ہے: بعض نقاد نے ان کے حفظ و روایت پر کلام کیا، جبکہ دیگر کبار، جن میں یحییٰ بن معین جیسے ائمہ بھی شامل ہیں، سے ان کی ثقاہت کی تصریحات منقول ہیں، اور فقہائے محدثین نے ان کے فقہی استدلال کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ متوازن علمی موقف یہی ہے کہ وہ بنیادی طور پر فقیہ و امام فقہ تھے، ان کی روایت کردہ احادیث ان کے شاگردوں کی مدون کردہ کتاب الآثار و مسانید میں محفوظ ہیں، اور ان کا اصل کارنامہ اصولِ فقہ کی تشکیل اور ہزاروں مسائل کی تدوین و تربیتِ رجال ہے۔ ان کی فقہ عثمانی دور میں سرکاری مکتب بن کر مشرق و مغرب میں پھیلی اور آج بھی دنیا کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسی پر عمل کرتی ہے۔ حالاتِ زندگی کا یہ مطالعہ اس سبق کو سامنے لاتا ہے کہ علم، اخلاص، خودداری اور حق پر استقامت ہی کسی عالم کو صدیوں تک زندہ رکھتی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت 80ھ میں کوفے کے ایک تاجر خاندان میں پیدا ہوئے، حماد بن ابی سلیمان سمیت کبار ائمہ سے علم حاصل کیا، 120ھ کے بعد کوفے کی عظیم فقہی مجلس کی قیادت کی، ابو یوسف و محمد بن حسن جیسے تلامذہ تیار کیے جنہوں نے ان کی فقہ مدون کی، تجارت سے خوددارانہ زندگی بسر کی، قضا کے منصب کو تقویٰ و استقلال کی وجہ سے قبول نہ کیا اور اس راہ میں آزمائشیں برداشت کیں، اور 150ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ ان کی زندگی علم و کردار کا حسین امتزاج ہے، اور یہی سوانح اگلی مشق میں مسانیدِ ابی حنیفہ کو سمجھنے کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔